خطبات خواجہ شمس الدین عظیمی

عرس مبارک حضور قلندر بابا اولیائ 1995

ACD 5

Track - 1

88:11

''اصل زندگی کیا ہے؟ جنت کی زندگی کیا ہے؟''

(تلاوت قرآن کریم)

معزز حضرات ، برطانیہ، امریکہ اور پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں سے ، قصبات سے ، دیہاتوں سے، آنے والے مہمانان گرامی ، کراچی سے آنے والے بھائی اور بہن مبارک باد کے مستحق ہیں کہ سب اللہ کے دوست حضور قلندر بابا اولیاء کی تعلیمات کو سننے ،سمجھنے کے لئے یہاںتشریف لائے ہیں۔ اپنے قیمتی وقت کو اللہ کے دوست کی باتوں کے لئے وقف کیا۔ اہل کراچی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کے شہر میں حضور قلندر بابا اولیاء نے قیام پاکستان کے بعد قیام کیا۔ اور پھر اسی شہر کراچی کو اپنی آرام گاہ کے طور پر منتخب فرمایا۔ قلندر بابا اولیاء کی تعلیمات کا بنیادی ڈھانچہ یہ ہے کہ نوع انسانی کو اللہ تعالیٰ نے خوش رہنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ نوع انسانی کا باپ آدم کو اللہ تعالیٰ نے اس شرط کے ساتھ جنت میں قیام کرنے کا حکم دیا کہ آدم اور آدم کی زوجہ حوا جنت میں رہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں خوش ہوکر رہیں۔ خوش ہوکر کھائیں پئیں۔ اور خوش ہوکر جنت کی زندگی گزاریں۔ آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی شیطان نے اپنا بھرپور وار کیا۔ نتیجہ میں آدم جب ناخوش ہوئے تو چونکہ جنت میں کوئی ناخوش آدمی رہ ہی نہیں سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثم رددنہ اسفل سافلین۔ کہ چونکہ جنت کی فضا کسی قسم کی نافرمانی کسی قسم کی ناخوشی اور کسی قسم کے پچھتاوے کو برداشت نہیں کرتی اس کی فضا اس بات کی متقاضی ہے کہ یہاں وہی بندہ یا بندی رہ سکتی ہے کہ جو خوش ہوکر رہنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ادم اسکن انت و زوجک الجنة فکلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذہ الشجرة و کنت من الظالمین ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہوکر کھاؤ پیو۔ ولا تقربا هذہ الشجرة... لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا۔ اگر حکم عدولی تم سے ہوگئی اور تم اس درخت کے قریب چلے گئے تو تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ آدم و حوا نہیں معلوم کتنی صدیاں جنت میں رہتے رہے ، خوش رہے ۔ پھر ایسا ہوا کہ شیطان کا بس چل گیا۔ آدم نے وہ کام کرلیا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا تو آدم علیہ السلام جب اس درخت کے قریب پہنچ گئے تو ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ مجھ سے اللہ کی نافرمانی ہوگئی ہے۔ چونکہ مجھ سے

اللہ کی نافرمانی ہوگئی ہے تو یہ بات یقینا اللہ تعالیٰ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ جیسے ہی آدم علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے سہو ہوگیا ہے تو ان کے اندر ایک پچھتاوا پیدا ہوگیا ۔ جیسے ہی پچھتاوا پیدا ہوا تو جنت کی خوشی اس پچھتاوے میں گم ہوگئی۔ اور جب خوشی نہیں رہی تو چونکہ جنت

Atmosphere

ہی خوشی کا ہے اس لئے آدم کو جنت سے نکال دیا گیا۔ حضور قلندر بابا اولیائ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی حال میں یہ نہیں چاہتا کہ اللہ کی مخلوق ناخوش رہے۔ اللہ کی مخلوق نے جب اللہ کی مخلوق نے جب ناخوشی کو قبول کرلیا نافرمانی کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت سے پھینک دیا یہ جنت پر پھینک دیا۔ لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا چونکہ اللہ تعالیٰ رب الرحیم ہیں ، اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں، اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہیں ، اللہ تعالیٰ غفار الذنوب ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا کام ہی مخلوق کے ساتھ محبت اور رحمت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری بھول ہوگئی لیکن اب قانون یہ ہے کہ جنت میں کوئی ناخوش آدمی رہ نہیں سکتا۔ اس لئے اب تم جنت سے زمین پر چلے آؤ ۔ اگر تم نے پھر خوشی کو حاصل کرلیا تو ہم دوبارہ تمہیں جنت میں آباد کردیں گے۔ تو اب انسان کی زندگی میں دو رخ ہی کام کرتے ہیں۔ یا وہ خوش ہوتا ہے یا انسان غمگین ہوتا ہے۔ یا انسان خوف زدہ ہوتا ہے یا انسان کے اوپر ایک قسم کی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اللہ تعالیٰ کے توکل کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہوتا۔ اور اللہ سے امید اپنی برقرار رکھتا ہے۔ تو اب زندگی کا دارو مدار دو رخوں پر ہوگیا۔ ایک خوشی ، ایک غم۔ خوشی کی زندگی ظاہر ہے سب کا سب جنت کی زندگی ہے۔ خوشی کے برخلاف غم، پریشانی کی زندگی ہے۔ سب کی سب نافرمانی کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جن لوگوں کو قربت حاصل ہوجاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے جو بندے دوست بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان بندوں کے لئے کہتا ہے کہ میرے دوستوں کو غم اور خوف نہیں ہوتا۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لہم یحزنون ... میرے دوستوں کو غم اور خوف نہیں ہوتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بندہ غم اور خوف سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جنت کی فضا کو قبول کرلے۔ اور جنت کی فضا قبول کرنا اس لئے کوئی مشکل مرحلہ یا مشکل کام نہیں ہے کہ جنت تو ہماری اصل ہے۔ جنت سے تو ہم آئے ہیں۔ اور اس دنیا میں ہمارا آنا جو ہے اس کے بارے میں بھی سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا عارضی ایک جگہ ہے۔ اور اس دنیا میں آدمی عارضی طور پر ہی رہتا ہے۔ اور کچھ عرصہ زندگی گزار کر یہاں سے چلا جاتا ہے۔ ......(بجلی چلی گئی) ......۔ ابھی شیطان کا ذکر ہورہا تھا تو وہ آگیا۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ بھئی اتنی اچھی اچھی باتیں ہورہی ہیں تو اس لئے وہ آگیا۔ .... ۔ ہے ایک عجیب سی بات،

تذکرہ غوثیہ ایک کتاب لکھی ہے غوث علی شاہ صاحب نے۔ وہ مرید لوگ ان کے
پاس آتے تھے دم درود کرتے تھے۔ تعویذ بھی دیتے تھے۔ تو ایک دفعہ ایک طوائف ان
کے پاس آگئی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ صاحب مجھے بھی تعویذ دے
دیں۔ تو انہوں نے کہا بھئی تجھے کاہے کا تعویذ دے دوں۔ اس نے طوائف نے کہا
کہ اچھا پھر وہ جگہ بتادیں جہاں ہم جائیں۔ ہم کہاں جائیں، اچھے لوگ تو سب
اللہ والے پاس جائیں ہم کہاں جائیں، ہم برے ہیں بھئی ٹھیک ہے لیکن ہم جائیں
کہاں۔ تو غوث علی شاہ صاحب کو اس بات سے کچھ شرم آئی۔ اور انہوں نے
ایک تعویذ لکھ کے دے دیا اس کو، طوائف کو۔ اور کہا کہ بھئی اپنے وہاں دروازے
پہ جاکے لٹکا دینا۔ اس کا کام چل گیا۔ جب اس کا کام چل گیا تو تعویذ واپس
ہوگیا۔ تو لوگوں نے پوچھا حضور کیا اس کا بھی تعویذ ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہاں
بھائی ہوتا ہے۔ تو اس میں کیا لکھتے ہیں؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا اللہ کے
نام تو اس میں نہیں لکھے جاسکتے۔ انہوں نے کہا بھئی کھول کے پڑھ لو۔ تو اس
تعویذ کو جب کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا، اے بھائی ابلیس اس کی مدد کر غوث
علی شاہ۔ اے بھائی ابلیس اس کی مدد کر غوث علی شاہ تو ہم نے شیطان کا
ذکر کیا تو اس بیچارے کو شرم آگئی۔ تو میں عرض کررہا تھا کہ انسان کی جو
اصلیت ہے یا انسان کی جو اصل جگہ ہے اور انسان کے جو اصل حواس ہیں وہ
جنت کے ہیں۔ انسان سے مراد آدم۔ آدم سے بھول ہوگئی وہ زمین پر آگیا۔ تو
اب جب انسانی زندگی کا ہم تجزیہ کرتے ہیں تو آپ کسی بھی طرح غور کریں
انسانی زندگی دو رخوں پر چل رہی ہے۔ یا انسان خوش ہوتا ہے یا انسان
غمگین ہوتا ہے۔ تیسرا زندگی کا کوئی رخ ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ
جب ہم جنت کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جنت میں
ٹائم اسپیس نہیں تھی، زماں مکاں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ... رغداً
حیث شئتما ... جہاں سے دل چاہے کھاؤ پیو اب جنت کا رقبہ کوئی میل دو میل
کا تو ہوگا نہیں وہ تو لاکھوں کروڑوں میل کا رقبہ ہے۔ تو حیث شئتما ... جہاں
سے دل چاہے کا مطلب یہ ہے کہ ایک بات تو یہ ہے کہ جنت کا پورا رقبہ وہ
لاکھوں میل کا ہے، کروڑوں میل کا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی ملکیت قرار دے
دی۔ دوسری بات یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں میل کے رقبہ پہ تصرف کرنا اور
لاکھوں کروڑوں میل کے رقبہ پہ گھومنا اور پھرنا ظاہری رفتار سے ممکن نہیں
ہے جو رفتار اس زمین پر ہے۔ اب ہم یہاں پیدل اگر چلیں تو زیادہ سے زیادہ
ایک گھنٹے میں تین میل چلیں گے۔ اب ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ میاں نے
جنت میں جہاز بنا کر دیا ہے۔ تو یہ مطلب اس کا یہ ہوا کہ جنت میں جب بندہ
رہتا ہے تو اس کے اوپر سے زمانیت مکانیت ، ٹائم اسپیس اس کی گرفت ٹوٹ
جاتی ہے۔ اور اس کی جو حرکت اور اس کی جو رفتار ہے وہ ارادے کے ساتھ
جیسے روح، اب اگر روح یعنی یہاں سے مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ
اقدس پر جانا چاہے اور جاتی ہے اچھے نیک لوگ جو ہیں خواب میں وہ روحیں
جاتی ہیں ۔ وہاں لوگ جاتے بھی ہیں نفلیں بھی پڑھتے ہیں، حضور پاک ﷺ کے

مواجہہ شریف میں جاکے سلام بھی پڑھتے ہیں۔ اور سلام پڑھ کے وہ روح واپس
بھی آجاتی ہے۔ جب کہ اگر جسمانی طور پر مدینہ منورہ جائیں تو ہمارے لئے
ہفتوں لگتے ہیں اور پیدل اگر جائیں بغیر جہاز کے اگر جائیں تو دو تین سال بھر
سے تو کم لگے گا نہیں۔ تو اب یہ ہمارا یہ تجربہ ہوا کہ روح جو ہے اس کے لئے
کسی سواری کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی رفتار معین نہیں ہے۔ کہ
روح بھائی جو ہے ایک گھنٹے میں بیس میل چلے گی، ساٹھ میل چلے گی، بلکہ روح
کا تعلق جو ہے انسان کے اپنے ارادے سے ہے۔ جنت میں جب تک آدم رہا تو وہاں
جسم تو تھا نہیں وہاں روح تھی۔ روح تھی یا روح کے اوپر جنت کا لباس تھا۔ تو
اب ہماری جو حیثیت ہوئی وہ یہ ہوئی کہ ہماری جو اصل ہے وہ جنت اور جنت
کا لباس ہے۔ اب آپ نے احادیث میں پڑھا ہوگا کہ روح کے اوپر ستر ہزار ......
پرت ہوتی ہے......ہوں گے...کیا کہتے ہیں۔ لیکن وہ اتنے باریک اور لطیف ہوں
گے کہ اس میں سے جسم جھلکے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری جو نظر
ہے اس کے اندر اتنی لطافت پیدا ہوجائے گی جنت میں کہ اگر ستر ہزار پرت
بھی ہمارے جسم کے اوپر آجائیں تو ہمارے اندر اس کے اندر سے بھی پار جائے
گی۔ مقصد یہ ہے اس حدیث پاک کا کہ رسول اللہ ﷺ یہ بتارہے ہیں کہ جنت کی
زندگی میں اور زمین کی زندگی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ زمین کی زندگی میں
آدمی ہر ہر قدم پر تعفن سے پر ہے۔ زمین کی زندگی میں نظر کا بھی دو سو
فٹ سے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا انتہا یہ ہے کہ اگر دنیا کا باریک ترین کاغذ
آپ آنکھ کے تل پر لگادیں تو آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اور وہاں صورتحال یہ
ہے کہ جنت میں آدمی رہ رہا ہے ، فرشتے بھی دیکھ رہا ہے۔ حوریں بھی دیکھ
رہا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا دیدار بھی کررہا
ہے۔ تو اب یہ نظر کے بھی دو زاویے بن گئے ہیں۔ جیسا میں نے عرض کیا نہ کہ
جب ہم جنت سے یہاں زمین پہ آئے تو ہماری زندگی کے دورخ متعین ہوگئے۔ ایک
رخ غم، ایک رخ خوشی۔ جس طرح غم اور خوشی دو رخ متعین ہوئے اسی طرح
نظر کے بھی دو زاویے بن گئے۔ رفتار کے بھی دو زاویے بن گئے۔ کھانے پینے کے بھی
زاویے بن گئے۔ مثلاً اب آپ نے پڑھا ہے کہ وہاں صورتحال یہ ہوگی کہ ایک آدمی
کا دل چاہا کہ میں سیب کھاؤں۔سیب کا درخت موجود ہے۔ سیب اس پہ لگے
ہوئے ہیں۔ لیکن وہ آدمی کہتا ہے کہ نہ میں کہاں جاؤں گا مجھے کہاں جاکے
سیب کو توڑنا ہے میں تو یہیں بیٹھے بیٹھے کھاؤں گا۔ تو درخت پر سے سیب ٹوٹے
گا اور آپ کے ہاتھ میں آجائے گا۔ تو صورت وہی بن گئی کہ اب یہ دیکھئے کہ اب
یہ دنیا کا خورد و نوش کے سلسلے میں دنیا کا جو زاویہ ہے وہ یہ ہے کہ جب تک
آپ زمین کے اندر بیج نہیں بوئیں گے ، اس بیج بونے کے بعد جب تک آپ اسے پانی
نہیں دیں گے ، جب تک اس درخت کو پروان پانچ سال، دس سال ، یا آٹھ سال یا
تین سال اس کو پروان نہیں چڑھائیں گے اس کے اوپر پھل نہیں لگے گا۔ اور جب
تک اس پھل کو توڑ کر آپ نہیں کھائیں گے پھل آپ کے حلق میں نہیں جائے گا۔
وہاں صورت یہ ہے کہ نہ آپ کو کوئی بیج بونا پڑا، نہ آپ کو درخت کی آبیاری

کرنی پڑی ، وہاں نہ آپ کو پھل توڑ کے کھانا پڑا ، وہاں تو یہ صورت ہوئی کہ
آپ کا دل چاہا سیب اب وہ درخت بھی آپ کے سامنے آگیا ، پھل بھی سامنے آگئے،
اور درخت بھی ٹوٹ کے آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ پھر صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کہتے ہیں جنت میں دودھ کی نہریں ہوں گی۔ دودھ کی نہریں تو گائے بھینس
کے اندر بھی ہیں۔ نہریں ہی تو ہیں جو دودھ ہم برتن میں ڈالیں گے اللہ تعالیٰ
سبحان اللہ کیا اچھی مثال فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمہارا اللہ تو ایسا
اللہ ہے جو گوبر کے بیچ میں سے تمہیں دودھ نکال کر پلاتا ہے۔ قرآن پاک کی
آیت ہے مجھے یاد نہیں آرہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمہارا اللہ تو ایسا رحیم و
کریم ، باقدرت، بااختیار اللہ ہے کہ گوبر کے بیچ میں سے تمہیں دودھ نکال کر
پلاتا ہے۔ اب آپ دیکھیں بھینس کے جتھے جائیں اس کے اوپر سارا آنتوں کا نظام
اور معدے کا نظام اور سارا وہ پیٹھا اور پاخانہ اور پیشاب اور اس میں جناب آپ
تھن کو دباتے ہیں جناب تو کیا صورت، رنگ، خوشبو دار دودھ نکلا جارہا ہے۔ بلکہ
وہ معراج شریف میں تو حضور پاک ﷺ سے حضرت جبرئیل نے یہ کہا کہ یہ دودھ
ہے یہ نور کی مانند ہے۔ تو اب وہاں اللہ تعالیٰ جنت میں تذکرہ فرماتے ہیں تو
وہاں فرماتے ہیں جنت میں دودھ کی نہریں ہوں گی۔ تو بھائی زمین پہ تو دودھ
کی نہر ممکن ہی نہیں ہے۔ کسی بھی طرح آپ دنیا میں جتنی بھی کروڑوں
بھینسیں ، گائیں ہیں آپ ان کا دودھ جمع کرکے نہر نہیں بہاسکتے۔ پھر اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہوں گی۔اب شہد زمین کے
اوپر بھی موجو دہے۔ لیکن جس طرح شہد بنتا ہے ، شہد کی مکھی پھول پہ
جائے گی رس چوسے گی ، پھر چھتے میں لے جائے گی وہ ایک بڑا لمبا طویل ایک
عمل ہے۔ اس طوالت کے بعد آپ کو شہد میسر ہوتا ہے۔ وہاں طوالت کی تو
گنجائش ہی نہیں ہے نہریں چل رہی ہیں شہد کی جتنا چاہے آپ کھالیں۔ تو
جنت کی اور دنیا کی فضا کو اگر ہم سمجھنا چاہیں قرآن پاک کے حساب سے،
اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کسی بھی طرح آپ سمجھنا چاہیں تو زندگی کے
دو زاویے اور دو رخ بنتے ہیں۔یہ جو کچھ میں آپ سے عرض کررہا ہوں یہ آپ نے
میرا خیال ہے کہیں پڑھا نہیں ہوگا۔ یہ میں حضور قلندر بابا اولیائؒ کی وہ
تعلیمات پیش کررہا ہوں جو انہوں نے مجھے بغیر کتاب کے بطور علم سینہ
سکھائیں۔ تو جو کچھ میں عرض کررہا ہوں اس کو بہت دھیان سے بہت غور
سے سنیں ۔ میں آپ کو چونکہ حضور کا آج عرس ہے۔ بڑی اللہ تعالیٰ کی رحمت
ہے۔تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں آپ کو تھوڑی سی تعلیمات سکھاؤں اور اس
میں میں آپ کو تھوڑا سا وقت بھی دوں گا اگر آپ چاہیں تو آپ سوالات بھی
کرسکیں۔ وقت تو آپ کا تھوڑا سا لگے گا لیکن وقت تو ساری زندگی ہی گزر
گئی۔ اب اچھے کام میں بھی تھوڑی سی زندگی گزرنی چاہئے۔ تو اب ہمیں یہ
پتہ چلا کہ ہماری زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ جنت کا رخ ہے۔ اس لئے کہ ہم
یہاں زمین پہ آنے سے پہلے جنت میں ہی تو رہتے تھے۔ جنت میں رہنے والا رخ ،
جنت میں کام کرنے والے حواس ، جنت میں سوچ بچار کرنے والی عقل اس لئے

خراب ہوگئی کہ اس کے اوپر اللہ کی نافرمانی کا پرت غالب آگیا۔حواس وہی
ہیں ۔ دیکھئے اگر ہم وہاں دودھ پیتے تھے جنت میں تو یہاں بھی دودھ پیتے ہیں۔
اگر ہم جنت میں شہد کھاتے ہیں تو یہاں بھی شہد کھاتے ہیں۔ اگر ہم جنت
میں سیر کرتے ہیں، باغات ہیں وہاں پہ تو یہاں بھی باغات ہیں۔ جنت میں اگر
پھول پھلواری ہے تو یہاںبھی پھول پھلواری ہے۔ فرق کچھ نہیں ہے۔ فرق صرف
اتنا ہے کہ جنت میں کام کرنے والے حواس کے اوپر نافرمانی کا پردہ آگیا۔ اگر
کسی صورت سے یہ نافرمانی کا پردہ اتر جائے تو یہی زمین یہی دنیا جس میں
ہم رہتے ہیں یہ سب کا سب جنت ہوجائے گی۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ
ہر مومن اپنی جنت اپنی دوزخ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اگر اس کے اندر فرماں برداری
کا جذبہ پیدا ہوجائے اور فرماں برداری کے جذبے کے تحت اس کے اوپر سے خوف
اور غم پریشانی ، احساس ندامت مایوسی ختم ہوجائے تو اس کا مطلب ہے کہ
اس دنیا میں ہی اس کے حواس جنتی ہوجائیں گے۔ اگر کوئی بندہ اس دنیا میں
خوش ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ جنتی ہے اور جنت میں ضرور جائے
گا۔ اور اگر کوئی بندہ اس دنیا میں ناخوش ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ وہ
جنت اسے قبول نہیں کرے گی لہٰذا اس کو فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہئے اپنا
محاسبہ کرنے کے بعد اس طرز فکر کو اختیار کرنی چاہئے کہ جب جنت میں گزار
کے آیا ہے۔اب بات کیا بنی بات یہ بنی کہ انسان جب یہاں زمین پر رہتا ہے تو وہ
دو طرزوں میں زندگی گزارتا ہے۔ ایک طرز زندگی تو پریشانی کی زندگی ہے۔
خوف کی زندگی ہے۔ مایوسی کی زندگی ہے۔ بیماری کی زندگی ہے۔ اور ایک
زندگی صحت مند زندگی ہے۔ خوشی کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ امید
کی وابستگی کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوپر توکل اور بھروسہ کرنے کی
زندگی ہے۔ پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جن چیزوں کو اچھا کہا ہے ، جن
اعمال کی تبلیغ کی ہے ، ان اعمال کو پورا کرنے کی زندگی ہے۔ یہ ساری زندگی
جنت کی زندگی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی
ہدایت کے خلاف زندگی گزر رہی ہے تو وہ ساری کی ساری زندگی دوزخ کی
زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ فرمائے۔ دوزخ کی زندگی بڑی بھیانک،
بڑی تکلیف دہ ہے۔ اگر ذرا سا بھی آپ خواب میں اس کا رائی برابر بھی حصہ
دوزخ کا دیکھ لیںتو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کا کیا حال ہو۔ یہ بھی اللہ
تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ اس نے اگر جنت کا جنت تو دکھتی ہے دوزخ نہیں
ورنہ لوگ تو ڈر کے خوف سے لرز کے ہی مرجاتے ساری دنیا ہی ختم ہوجاتی۔
اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو اس زمین پر بھیجا تو یہ کہا کہ ہم تمہارا وطن تمہیں
واپس کردیں گے۔ بشرطیکہ تم نافرمانی کا دماغ جو نافرمانی کی وجہ سے غالب
آگیا ہے ، نافرمانی کے حواس جو نافرمانی کی وجہ سے غالب آگئے ہیں انہیں ختم
کرکے فرماں برداری کے حواس کو قبول کرلو۔ اور اس کا انتظام یہ ہوگا کہ ہم
وقفے وقفے سے اپنے برگزیدہ بندے بھیجتے رہیں گے اور تمہیں دوزخ کے حواس ،
دنیا کے حواس اور جنت کے حواس میں جو فرق ہے وہ تمہارے اوپر ظاہر کرتے

رہیں گے اور تمہیں ہدایت دیتے رہیں گے۔اب ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ
کرلیا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ تو ایک رتی بھی اس کے اندر نہیں
ہوسکتا اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا۔سب سے پہلے حضرت آدم
علیہ السلام کو زمین پہ اتارا۔ اس پیغمبری کے پیچھے بھی بڑا عجیب و غریب آپ
اسے بہت غور سے سنئے بہت ہی عجیب و غریب بات ہے۔ اس جنت اور دوزخ کے
حواس کی بھی تعریف آپ کے سامنے آجائے گی۔ وہ یہ کہ آدم سے بھی نافرمانی
ہوئی جنت میں۔ شیطان سے بھی نافرمانی ہوئی جنت میں۔ آدم کو بھی اللہ
تعالیٰ نے زمین پر پھینک دیا۔ شیطان کو بھی اپنے سے دور کردیا۔ دیکھئے بالکل

Parallel

چل رہی ہیں دونوں باتیں۔ یہ بھی آپ کو پتہ ہے کہ آدم کو جو علوم اللہ
تعالیٰ نے سکھائے وہ شیطانوں سے اور فرشتوں سے کہیں زیادہ علم ہے۔
فرشتوں نے کہا تھا نہ کہ اس کو نائب بنارہے ہیں یہ تو بڑا خون خرابہ کرے گا۔
اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم الاسماء سکھایا اور فرشتوں سے علم الاسماء سکھانے
کے بعد ... اچھا بھئی کھانا تیار ہے تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ جتنے ہمارے مہمان
باہر سے آئے ہوئے ہیں کراچی حیدرآباد کے علاوہ یورپ کے ، لاہور کے وہ خواتین
اور مرد حضرات تشریف لے جائیں۔ اور کھانا وہاں جاکے کھاکے واپس آجائیں۔ اور
ہم سب اہل کراچی جو ہیں وہ چونکہ آپ کے میزبان ہیں اس لئے ہمیں اچھا
نہیں لگتا پہلے کھانا۔ پھر ہم انشاء اللہ ہم سب کراچی والے جب آپ لوگ آجائیں
گے پھر جاکے کھانا تناول کرلیں گے۔ جتنے مہمان ہیں وہی جائیں بس۔ باقی
کراچی والے ، حیدرآباد والے لوگ یہیں رکیں ہم بعد میں ، ہم اتنی دیر باتیں
کرلیں پھر بعد میں کھانا کھائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میں کیا کہہ رہا تھا بھئی ،
کیا کہہ رہا تھا ؟ ہاں ... بھئی شور نہیں کرنا، شور نہیں کرنا ، آرام سے جائیں ،
آرام سے جائیں ، بالکل خاموش ہوکر جائیں، بالکل شور نہ کریں، شور کرنااللہ
میاں کو برا لگتا ہے۔ اللہ میاں کی شان کو ہم ... اللہ میاں کہتے ہیں اچھی آواز
سے بات کرو۔ ہلکی آواز سے بات کرو، اور مجھے اچھی اور شیرینی آواز پسند
ہے، اور خود ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آواز تو گدھے کی بھی ہوتی ہے۔
حالانکہ گدھا ایک جانور ہے۔ گدھے کی آواز بھی ... اللہ کی مخلو ق ہے وہ تو
لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں مجھے اونچی آواز، پھٹی ہوئی آواز، بے سری آواز،
پسند نہیں ہے۔ اچھی ، شیریں ہلکی آواز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ کیا ہوگیا
بھئی؟ یہ کھانا بھی عجیب ظالم چیز ہے اتنی اچھی بات ہورہی تھی کھانے کی
وجہ سے رہ گئی۔ بھائی مہمانوں کی میزبانی ضروری ہے۔ مہمانوں کو حضرت
ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے زندگی میں مہمان کے
بغیر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ اگر کوئی مہمان نہیں ہوتا تھا تو وہ گھر سے نکل
جاتے تھے اور جب تک انہیں کوئی مہمان نہیں مل جاتا وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔
تو مہمان نوازی جو ہے یہ تو پیغمبروں کا وصف ہے یہ۔ کہاں سے شروع کیا تھا؟

علم! دیکھئے ایک بات بڑی میں آج ذرا کچھ زیادہ ہی موڈ میں ہوں۔ حضور قلندر
بابا اولیائ کا چونکہ عرس ہے تو میں خوش بہت ہوں۔ پھر دوسری بات یہ کہ
ساری دنیا سے امریکہ سے، کینیڈاسے، ہالینڈ سے، دبئی سے، ابو ظہبی سے،
سعودیہ سے، اور کیا کہتے ہیں آپ کے پاکستان کے سارے شہروں سے ، برطانیہ
سے مہمان آئے ہیں۔ تو میں یہ خوش ہوتا ہوں کہ حضور کی ان سب پر اور
خصوصاً تمام اہل کراچی پر عموماً کیسی رحمت ہے کہ ہمارے لئے دنیا بھر سے
انہوں نے یہاں مہمان بھیج دئے۔ یہ بڑی بڑی نصیب اور سعادت کی بات ہے۔
بھئی اگر انہیں چپ کرو تو بات کریں۔ نہیں آپ ان سے کہیں چپ ہوجائیں تقریر
ہورہی ہے۔ الحمد للہ ! میرے لئے اور آپ سب بھائیوں کے لئے کتنی خوشی کی
بات ہے کہ ہم نے اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔
اس سے ہمارے کراچی کا ڈسپلن اور آپس میں مہمانوں سے محبت کا اظہار ہوتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید توفیق عطا فرمائے۔ علم الاسماء کے بارے میں ... اچھا
ایک تو پہلے آپ اس بات کو سمجھیں میں کوئی تقریر نہیں کررہا ہوں۔ میں آپ
حضرات سے میرے چھوٹے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں ، بزرگ بھی ہیں، باتیں کررہے
ہیں ہم لوگ۔ اس کو تقریر کا عنوان نہ دیں ۔ تقریر کے عنوان سے ذہن میں کہ
بڑا علامہ ہے، بڑا فاضل ہے، اور کیا تقریر کی ۔ تو اس سے وہ جو بات کا مفہوم
ہے وہ رہ جاتا ہے۔ اور جب دو دوست ، دو بھائی ، یا بزرگ یا چھوٹے بیٹھ کے بات
کرتے ہیں تو تقریر میں اور بات میں کوئی فرق تو ہوگا۔ تو بات جو ہے وہ زیادہ
آسانی سے ذہن نشین ہوتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اور آدم
کی نوع کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا کئے تمام مخلوق میں۔ اشرف المخلوقات
کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے کائنات میں یعنی زمین اور آسمانوں میں جتنی بھی
مخلوق ہے وہ آدم سے علم میں کم ہے۔ اور اگر کوئی بھی مخلوق آدم سے علم
میں زیادہ ہوجائے گی تو وہ مخلوق اشرف المخلوقات ہوجائے گی آدم کم تر
ہوجائے گا۔ مولانا روم نے بڑی عجیب بات مثنوی میں لکھی ہے کہ ایک دفعہ
سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ جبرئیل یہ
جو تم پیغام لے کر آتے ہو اللہ کا میرے اوپر جو وحی لے کر آتے ہو یہ کہاں سے
لاتے ہو؟ انہوں نے کہا صاحب جو اللہ کہتا ہے وہ میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔
حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ جو اللہ مجھے کہتا ہے وہ میں من و عن آپ کو آکے
سنا دیتا ہوں۔ حضور سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا کبھی تم نے آواز
دینے والے کو دیکھا بھی ہے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیت
المعمور سے آگے تو میں جا ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بیت المعمور سے میں آگے نکل
جاؤں تو میرے پر جل جائیں گے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ... (فارسی شعر ... فروغ
تجلی ...) کہ اگر میں بیت المعمور سے آگے نکل جاؤں تو میرے تو پر جل جائیں
گے۔ تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اب جب اوپر سے تمہیں آواز آئے تو تم
میری ہمت اور نسبت سے پرواز کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بھئی جبرئیل
محمد ﷺ سے ہمارے پیغام کو لے جاؤ تو انہوں نے حضور پاک ﷺ کی طرف ذہن

مرکوز کرکے حضور کی نسبت اور ہمت سے جو پرواز کی تو بیت المعمور سے آگے
نکل گئے۔اور ان کے پر نہیں جلے۔ بعد میں جب وہ آئے پیغام لے کے تو بڑے حیران
پریشان حضور ﷺ نے فرمایا بھائی جبرئیل کیا دیکھاکہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا
عرض کروں کیا دیکھا وہاں بھی نور ہے یہاں بھی نور ہے۔ اگر جنت کے حواس
ہم سے چھین لئے جاتے تو پھر ہم جنت میں دوبارہ نہیں جاسکتے۔ اور اللہ تعالیٰ
جو عفو و درگزر کرتے ہیں ، حضور قلندر بابا نے ایک قصہ سنایا بڑا عجیب قصہ
سنایا انہوں نے فرمایا یہ روحانی باتیں ہیں اس کو عام لوگوں کے سامنے بیان
نہیں کرنا چاہئے اس میں ذرا تھوڑا سا گڑ بڑ ہوجاتی ہے ۔ لیکن یہاں تو ماشاء
اللہ سارے اپنے ہی ہیں۔ اگر کوئی بات نہ سمجھ میں آئے اسے آپ پوچھ سکتے
ہیں۔ کہ حضور پاک ﷺ تشریف فرما تھے صحابہ بھی بہت سارے بیٹھے ہوئے تھے
ساتھ۔ تو حضور پہلے تو مسکرائے۔ پھر زیادہ مسکرائے۔ پھر اتنے زیادہ مسکرائے
کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ مشہور ہے کہ حضور جو ہیں جب ہنستے تھے یا
مسکراتے تھے دندان مبارک ظاہر نہیں کرتے تھے۔ صحابہ نے دیکھا بھئی یہ تو بہت
ہی خلاف معمول بات ہوگئی۔ کوئی بات ضرور ہے۔ اور حضور کی ایک کیفیت
ہوتی تھی وحی وہ سمجھ گئے کہ غیب سے کوئی تعلق ہے اس کا۔ جب حضور
متوجہ ہوئے صحابہ کرام کی طرف تو کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺابھی آپ
تین دفعہ ہنسے۔ اور آپ کے چہرے پر عجیب و غریب خوشی ظاہر ہوئی۔ اگر
آپ پسند فرمائیں اور ہمارے سنانے کی بات ہو تو ہمیں اس میں شریک کریں۔
حضور نے فرمایا ہاں ابھی بھائی جبرئیل آئے تھے وہ مجھ سے بات کررہے تھے۔
یعنی وحی کے علاوہ بھی حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔
انسانی شکل میں بھی آکے بیٹھتے تھے۔ یعنی حضور پاک ﷺ کے دوست بھی تھے۔
حضور ﷺ ان کو بھائی بھی فرماتے تھے۔ اتنی قربت تھی۔ انہوں نے کہا بھائی
جبرئیل امین آئے تھے تو میں نے ان سے یہ کہا کہ کوئی باتیں ہورہی تھیں پرانے
زمانے کی پیغمبروں کی پرانے میں نے ان سے کہا کہ بھائی جبرئیل اپنی زندگی کا
جو سب سے اہم اور خوبصورت واقعہ ہے وہ سناؤ بھئی۔ تو حضرت جبرئیل نے
فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ بہت عرصہ گزر گیا اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی پیغمبر
ہی نہیں بھیجا۔ مجھے خیال آیا کہ اتنے دن گزر گئے زمین پر کوئی پیغمبر نہیں آیا
زمین پر جب اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر بھیجتے ہیں تو میرا بھی اللہ سے رابطہ اور
تعلق ہوجاتا ہے۔ تو اتنے عرصے سے اللہ سے رابطہ اور تعلق بھی ٹوٹا ہوا ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ زمین پر پیغمبر بھیج تاکہ میرا رابطہ
برقرار ہو۔ وہ کہنے لگے میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا دعا کیلئے تو ابھی
میں نے دعا کی بھی نہیں تھی جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا تو میرے
کان میں آواز آئی کہ لبیک لبیک لبیک تو میں سمجھ گیا کہ کوئی بندہ اللہ کو پکار
رہا ہے۔ اور اللہ میاں اس کی طرف متوجہ ہیں۔ تو میں دعا کرنے کے بجائے اس
بندے کی تلاش میں لگ گیاکہ وہ کون بندہ ہے اور جس کے جواب میں اللہ
تعالیٰ مسلسل لبیک لبیک کہہ رہے ہیں۔ پہلے تو میں نے جتنی زمینیں ہیں ان

سب میں گھوما پھرا کہ وہ بندہ مجھے نظر آئے۔ مجھے بندہ ہی نظرنہیں آیا۔
پھر میں نے آسمانوں کی سیر کی کہ وہ آسمان میں کوئی بندہ ہو۔ جس کو اللہ
تعالیٰ لبیک کہہ رہے۔ ہیوہاں بھی نظر نہیں آیا۔ میں تھک ہار کے بیٹھ گیا ۔ پھر
میں اللہ کی طرف متوجہ ہوا پھر بھی اللہ تعالیٰ یہی کہہ رہے تھے لبیک لبیک
لبیک لبیک۔ میں نے سوچا کہ بھئی ہے تو کوئی بندہ۔ لیکن میری نظر سے وہ
کیسے اوجھل ہوگیا۔ کہاں ہے وہ؟ پھرمیں نے ایک دفعہ پھر ساری کائنات کو
چھان مارا۔ مجھے پھر کوئی نظرنہیں آیا۔ تو اب میں نے یہ سوچا کہ اللہ میاں
سے پوچھنا چاہئے کہ وہ بندہ کون ہے؟ جس کے بارے میں آپ لبیک لبیک
لبیک کہہ رہے ہیں۔ اب جوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ
فرما رہے ہیں یا عبدی لبیک یا عبدی لبیک۔ اے ہمارے بندے ہاں میں ہوں۔ اے
میرے بندے ہاں میں ہوں۔ حضرت جبرئیل کہتے ہیں تصدیق ہوگئی ہاں بندہ
ہے۔ یا عبدی لبیک کا مطلب ہے کہ بندہ ہے۔ تو میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت ہی
عاجزی سے درخواست کی کہ یا اللہ میں اس بندے کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔
جس بندے کے ساتھ آپ اتنی دیر سے مشغول ہیں۔ اور میں نے سارا آسمان چھان
مارا۔ ساری زمین دیکھ لی لیکن مجھے نظر نہیں آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
وہ دیکھو۔ کہنے لگے میں نے عجیب تماشہ دیکھا ایک مندر ہے اس میں بت ہے اور
اس بت کے سامنے ایک بندہ کھڑا ہوا ہے اللہ اللہ کررہا ہے۔ تو میں نے کہا
صاحب آپ نے تو خود فرمایا کہ دو گناہ ہم معاف ہی نہیں کریں گے، حقوق
العباد اور شرک۔ اس سے زیادہ کھلا شرک تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اور میں تو اس
مندر کی طرف جاہی نہیں سکتا میراذہن ہی نہیں گیا کہ یہاں بھی کوئی بندہ
ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم دیکھو۔ اب جو حضرت جبرئیل نے
دیکھا تو وہ بندہ اس بت کو پکڑ کے خوب زور سے طاقت کے ساتھ ہلا رہا تھا اور
یہ کہہ رہا تھا کہ ساری زندگی تجھے پکارتے ہوئے ہوگئے تو نے کوئی جواب نہیں
دیا ایک دفعہ اللہ کو پکارا یا عبدی لبیک کہہ دیا۔ اور اس نے وہ بت توڑ دیا۔ تو
اللہ تعالیٰ کا دیکھئے اللہ تعالیٰ کا کرم اس سے یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں
کے اندر خلوص دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اندر یقین دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
انسانوں کے اندر عاجزی انکساری دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو آپس
میں بھائی بہنوں کی طرح رہتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کیا آپ اس بات
سے انکار کریں گے کہ ساری نوع انسانی اللہ کا کنبہ نہیں ہے؟ اللہ کی اولاد
نہیں ہے؟ ایک باپ کیا اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے چار بیٹے یا آٹھ بیٹے
آپس میں لڑیں۔ اللہ کیسے پسند کرسکتا ہے کہ اس کی مخلوق آپس میں لڑے
ایک دوسرے کے گلے کاٹے۔ ایک دوسرے سے نفرت کرے۔ ایک دوسرے کو اذیت میں
مبتلا کرے۔ لیکن کون پسند کرے گا تو ا س کا مطلب ہے کہ یہ اذیت پسندی
دوسروں کو اذیت پہنچانا ، دوسروں کو تکلیف دینا۔ خود بھی ناخوش ہونا ،
دوسروں کو بھی ناخوش کرنا یہ شیطنت ہے۔ یہ زندگی کی وہ طرز فکر ہے جو
پیغمبروں کی طرز فکر کے خلاف ہے۔ یہ زندگی کی وہ طرز فکر ہے جس کو

ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آدم کی اولاد میں
سے بھیجے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ صاحب وہ پیغمبر فرشتوں میں سے آئے
تھے اور کہاں فرشتے کہاں انسان۔ آپ نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح ہر انسانی
بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو بھی پیدا کرتا ہے۔ جس طرح
ہر انسان کھانا کھاتا ہے پیغمبروں نے بھی کھانا کھائے۔ جس طرح ہر انسان بازار
جاتا ہے، کاروبار کرتا ہے پیغمبروں نے بھی کاروبار کئے، پیغمبروں نے بھی شادیاں
کیں ہیں اس لئے کہ نوع انسانی کسی مقام پر آکر یہ نہ کہے کہ صاحب یہ
ماورائی مخلوق تھیں ہم اس کی اتباع کیسے کرسکتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی
زندگی پر ذرا آپ غور فرمائیں ، سیرت پاک کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے آپ
جب سیرت پڑھیں گے ایک بات ایسی آپ کو نظر آئے گی جس سے آپ کا کلیجا
چھلنی ہوجائے گا کہ حضور پاک ﷺ کو ساری زندگی میں کبھی نوع انسانی نے
سکون کا سانس نہیں لینا دیا۔کوئی حضور نے گھر نہیں مانگا تھا۔ کوئی حضور نے
کاروبار نہیں مانگا تھا۔ وہ تو خود کہتے تھے کہ صاحب یہ ہمارے جو بزرگان دین
کو آپ برا کہتے ہیں آپ یہ چھوڑ دیں ہم آپ کو بادشاہ بنادیتے ہیں۔ جہاں
چاہیں آپ کی شادی کردیتے ہیں۔ جو چاہیں آپ کردیتے ہیں۔ لیکن یہ جو بت
ہم نے رکھے ہیں اپنے باپ دادا کے اس کو آپ برا نہ کہیں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا
تمہاری عقل پہ حیرانی ہے کہ یہ بت نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ
چل سکتے ہیں، نہ گر سکتے ہیں، نہ مکھی اڑا سکتے ہیں، تم ان کو خدا مان
رہے ہو۔ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کو تراش کرکے تم اس کو خدا کہہ رہے
ہو۔ اور نتیجہ میں جو اذیتیں حضور پاک ﷺ کو اہل مکہ نے، قریش نے ، کفار نے
پہنچائیں اس سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں ہے۔ طائف میں تشریف لے گئے
تبلیغ کی ... مجنوں آگیا، مجنوں آگیا اتنے پتھر مارے اتنے پتھر مارے کہ حضور پاک ﷺ
کے جسم سے بہہ بہہ کے خون جوتا بھر گیا۔ لیکن حضور نے بددعا نہیں کی۔
حضور نے بددعا نہیں کی۔ اور جو پیغمبر گزرے ہیں بددعا کیں، قومیں برباد
ہوئیں، قوم عاد برباد ہوئی، قوم ثمود برباد ہوئی، قوم لوط برباد ہوئی، قوم نوح
برباد ہوئی۔ اور نہ معلوم کتنی قومیںبرباد ہوئیں۔ لیکن حضور پاک ﷺ نے کبھی
کسی کے لئے بددعا نہیں کی۔ اور بددعا کرتے بھی کیسے اللہ نے اپنے لئے فرمایا ...
الحمد للہ رب العالمین آپ غور سے سنیں اس نے کیا خوبصورت بات کہی ...
الحمد للہ رب العالمین ... سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔
رب سے مراد یہ ہے کہ عالمین کے لئے وسائل فراہم کرنے والا ہے۔ عالمین کے
لئے رزق اتارنے والا ہے۔ عالمین کے لئے زمین بنانے والا ہے۔ عالمین کے لئے آسمان
بنانے والا ہے۔ عالمین کے لئے سورج بنانے والا ہے۔ عالمین کے لئے ... غرض یہ کہ
عالمین میں جتنی بھی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کو برقرار رکھنے کے
لئے وسائل فراہم کرتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا اس زمین کے اوپر بھی پانی
چل رہا ہے اور زمین کے اندر بھی نہریں چل رہی ہیں۔ میں نے وہاں لندن میں
تقریر کی تھی اس میں میں نے کہا ، میں نے کہا بھائی یہ بتاؤ کہ اتنا پانی تم لوگ

لاتے ہو، پیتے ہو بل دیتے ہو، کبھی اللہ میاں کو بل دیا ہے؟ پانی کا۔ کیا آسمان سے تمہارے نام یہ بل آیا کہ تم نے اتنا پانی استعمال کیا ہے، لہٰذا اتنے پیسے دو۔ ہر چیز فری ہے آکسیجن فری، ہوا فری، پانی فری ، درخت فری، ابھی جو آپ گیہوں کھاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے کبھی تو بیج پیدا ہی کیا ہوگا ناں، پھل، ایک گٹھلی آپ ڈال دیتے ہیں ساری زندگی آپ کھاتے رہتے ہیں، بھئی ایک گٹھلی کا آپ کو ایک آم مل جاتا ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے ، وسائل فراہم کئے۔ اچھا وسائل کا پیدا کرنا الگ ایک بات ہے۔ وسائل کی تقسیم کرنا الگ ایک بات ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے رب العالمین کی حیثیت سے کائناتی سسٹم کو قائم رکھنے کے لئے وسائل پیدا کردئیے۔ اب وسائل کی تقسیم کے لئے ایسا آدمی ہونا چاہئے۔ جو بالکل متوازی ہو۔ جو بالکل نیوٹرل ہو۔ اور جس کے اندر غیر جانبداری ہوگی۔ اس کے اندر رحمت ضرور ہوگی۔ رحمت نہیں ہوگی تو غصہ ہوگا۔ اور جب رحمت نہیں ہوگی تو آدمی غیر جانبدار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے عالمین کو فیڈ کرنے کے لئے جتنے بھی ضروری وسائل تھے پیدا کردئیے۔ اب چونکہ ہم خالق ہیں، ہم تو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ پہنتے ہیں نہ ہماری شادی نہ بیوی نہ بچے۔ اب ایسا آدمی چاہئے جس کو پتہ ہو کہ بھوک کیا ہے۔ جس کو پتہ ہو کہ کھانا کیا ہے۔ جس کو پتہ ہو کہ پیاس کیا ہے۔ جس کو پتہ ہو کہ بیوی بچے کیا ہیں۔ وہی آدمی جو ہے وسائل کو اللہ کی مخلوق میں تقسیم کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب بندے میں تو رب العالمین ہوں۔ میں تو وسائل پیدا کرتا ہوں۔ ومآارسلنک الا رحمة العالمین ... تجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تو رحمت کے ساتھ وسائل کو عالمین میں تقسیم کرے وسائل کو پیدا میں نے کیا۔ لیکن اب اس کا کوئی سسٹم ہو، اس کی تقسیم کا طریقہ کار ہو۔ اب چونکہ میں تو کھاتا بھی نہیں ہوں، میں تو پیتا بھی نہیں ہوں، میں تو شادی بھی نہیں کرتا۔ اے محمد ﷺ میرے بندے آپ کو بھوک بھی لگتی ہے، آپ کو پیاس بھی لگتی ہے، آپ نے شادی بھی کی، آپ کے بچے بھی ہوئے۔ آپ نے کاروبار بھی کیا۔ آپ بیمار بھی ہوئے، آپ صحت مند بھی ہوئے۔ لہٰذا یہ ساری شان مخلوق کی شان ہے۔ ہم نے مخلوق کے تمام اوصاف کے ساتھ آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیج دیا تاکہ آپ عالمین میں نیوٹرل ہوکر ، محبت کے ساتھ ، رحمت کے ساتھ ہمارے پیدا کردہ وسائل کو اس طرح تقسیم کرتے رہیں کہ مخلوق کبھی پریشان نہ ہو، نہ اسے کبھی ہوا کی کمی محسوس ہو، نہ اسے کبھی پانی کی کمی محسوس ہو، اور نہ اسے اس بات کی پریشانی ہو کہ وسائل کی تقسیم ایک ایسی ہستی کے ہاتھ میں ہے جسے بھوک بھی نہیں لگتی۔ جتنے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے وہ آپ دیکھیں سارے مخلوق میں سے ہی آئے۔ بھئی آپ بتائیں کوئی فرشتہ آیا ہو۔ تو آپ سے میرا یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی کیوں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کئے۔ فرشتوں میں سے کیوں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ جنات میں سے کیوں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ بتائیں بھئی۔ دیکھئے علم تو فرشتوں کے پاس بھی ہے۔ ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ... ہاں بتائیں ... ہاں بھئی

خواتین میں سے ... نہیں بھئی جنات تو مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ تین مخلوق یہاں ہیں ۔ اور کوئی صاحب کھڑے ہوجائیں۔ نہیں وہ صاحب کھڑے ہوجائیں علم الاسماء والے۔ ہاں جی؟ علم الاسماء تو فرشتوں کو بھی حاصل ہیں۔ نبی ﷺ تو ہیں ہی رحمۃ العالمین ﷺ خوش خبری کی کیا بات ہوئی اس میں۔ بھئی آپ لوگ مطمئن ہیں، مطمئن ہوگئے ہیں یا نہیں ہوئے؟ نہیں طفل مکتب تو سب ہی ہیں۔ اچھا جس کو تشنگی ہے وہ ہاتھ اٹھالے۔ اس کا مطلب ہے کچھ لوگوں کو تشنگی نہیں ہے۔ وہ مطمئن ہیں ہیں بھئی؟ وہ میں نے ایک لطیفہ پڑھا تھا ملّا نصیر الدین کا وہ جناب اسٹیج پہ نہیں آئے۔ لوگ زبردستی لے گئے انہیں تقریر کرنے کے لئے۔ انہوں نے جاکے کہا بھائیو السلام علیکم جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ تو لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے۔ تو کہنے لگے ایسے بے وقوف سے بات کیا کرنی جو کچھ نہیں جانتا۔ یہ کہہ کر اسٹیج سے اتر گئے۔ لوگوں نے کہا بھئی یہ عجیب تیز نکلے۔ تو انہوں نے کہا اچھا اب ہم یہ کہیں گے کہ ہم جانتے ہیں۔ پھر بلاؤ انہیں اسٹیج پہ۔ انہوں نے آکر پھر کہا ہاں بھئی جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم جانتے ہو؟ سب لوگوں نے کہا ہاں جی ہم جانتے ہیں۔ کہنے لگے جب تم جانتے ہو تمہیں بتانے کا کیا فائدہ۔ پھر وہ چلے گئے۔ پھر لوگوں نے سوچا بھئی اب کیا کریں کس طرح کریں۔ تو انہوں نے آپس میں کھسر پھسر کی۔ انہوں نے کہا بھئی آدھے لوگ یہ کہیں کہ ہم جانتے ہیں آدھے لوگ یہ کہیں کہ نہیں جانتے۔ وہ جناب پھر آگئے۔ ہاں بھئی جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم جانتے ہو؟ آدھے لوگوں نے کہا ہاں جی ہم جانتے ہیں ، آدھے لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے کہا لو مسئلہ ہی حل ہوگیا۔ جو جانتے ہیں انہیں بتادے جو نہیں جانتے۔ یہ سوال میں نے کہ آدم کی فضیلت ، آدم کی نیابت قرآن پاک سے ثابت ہے۔ حضور قلندر بابا سے ایک سوال کیا تھا۔ صاحب آدم کو ہی کیا خصوصیت تھی پہلے جنات بھی تھے۔ آدم سے پہلے بھی ساری کائنات کا نظام تو چل رہا تھا۔ دیکھیں نہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جنات سے کہا کہ اسے سجدہ کرو تو اس کا مطلب ہے جنات تو تھے۔ فرشتوں سے کہا سجدہ کرو، فرشتے بھی تھے۔ تو اس نے بھی کہا کہ صاحب میں آگ سے بنا ہوں۔ یہ مٹی سے بنا ہوا ہے۔ میں اسے کیوں سجدہ کروں۔ انہوننے کہا نہیں بھئی بات یہ نہیں ہے بات یہ ہے کہ جب ہم کوئی نظام بناتے ہیں تو اس نظام میں ایک درجہ بندی ہوتی ہے۔ مثلاً اب یہ بجلی کا ایک سسٹم ہے۔ الیکٹرک کا، الیکٹریسٹی کا۔ یہ وہاں ڈیم میں ٹربائن چلتے ہیں۔ اس سے بجلی بنتی ہے۔ پھر وہ موٹے موٹے تاروں میں آکے یہ بڑے بڑے پاور ہاؤس میں آجاتی ہے۔ پھر یہ ہائی ٹینشن میں آجاتی ہے۔ ہائی ٹینشن میں پتہ نہیں کتنے سات سو واٹ بجلی ہوتی ہے۔ پھر اس میں سے نکل کے پھر گرڈ اسٹیشن میں جاتی ہے۔ پھر گرڈ اسٹیشن سے پھر آپ نے دیکھا ہوگا پھر چھوٹے چھوٹے ٹرانسفارمر لگے ہوتے ہیں پھر اس سے بجلی تقسیم ہوکے پھر بلب جلتا ہے۔ لیکن اگر آپ ڈائریکٹ ٹربائن سے ایک بلب لگادیں ۔ اگر آپ دس ہزار واٹ بجلی کا بلب بھی ڈائریکٹر ٹربائن سے لگادیں تو

اس کا کیا ہوگا؟ جل جائے گا۔ پھٹ جائے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی
بہت بڑی طاقت کو استعمال کرنے کا فارمولا یہ بنا کہ اس طاقت کو ہلکی ہلکی
اور ہلکی اور ہلکی کردیں۔ اب اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ
اللہ نور السموت ولارض یعنی اللہ زمین و آسمان کی روشنی ہے۔ اب اس کو
سمجھنے کے لئے آپ یہ کہہ لیں کہ اللہ زمین و آسمان کا کرنٹ ہے۔ تو اگر اللہ
تعالیٰ اس کرنٹ کو ڈائریکٹ کائنات کے اوپر پھینک دے تو کائنات تو جل جلا کر رہ
جائے گی۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے اس سسٹم کو قائم کرنے کے لئے یہ خود قانون بنایا
کہ میری جو عظیم الشان طاقت ہے کہ جس کو کوئی چیز برداشت ہی نہیں
کرسکتی میرے اور کائنات کی مخلوق کے درمیان ایک میڈیم ہونا چاہئے۔ جو میرے
پورے جلال کو جو میرے عظمت کو جو میری پوری قدرت کو ، جو میری پوری
طاقت کو برداشت کرکے آگے جاری و ساری کرسکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سب سے
پہلے رسول اللہ ﷺ کوتخلیق کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اتنی طاقت عطا فرمادی کہ
اللہ تعالیٰ کا پورا نظام ، پوری قدرت ، پورا جلال ، پوری عظمت کو رسول اللہ ﷺ
کا دماغ اور ذہن برداشت کرسکے۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے جب بھی اللہ تعالیٰ نے
مثال کے طور پر کن کہا اب کن کہنے سے ساری کائنات بن گئی۔ تو اب کن کی
جو طاقت ہے اس کو برداشت کرنے والا کوئی ہونا چاہئے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے
کن کہا تو اس کی طاقت کو رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا ، قبول کرکے پھر کتاب
المبین میں دیا۔ پھر کتاب المبین میں طاقت تقسیم ہوئی۔ کتاب المبین کے بعد
پھر وہ لوح محفوظ میں طاقت تقسیم ہوئی۔ اور لوح محفوظ کے بعد پھر وہ
طاقت ملائکہ میں تقسیم ہوئی۔ اور پھر اس کے بعد زمین و آسمان میں تقسیم
ہوکے مخلوق بنی۔ اب صورت یہ ہوئی کہ کیا سوال کیا تھا جی؟ ہاں اب حضور
پاک ﷺ اللہ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔ جس کو مولانا روم نے بھی کسی شاعر
نے بھی کہا نے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اللہ کے بعد اگر کسی کو
عظمت زیب دیتی ہے وہ حضور پاک ﷺ ہیں۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون اور
سسٹم ہی ایسا بنایا ہے کہ حضور پاک ﷺ میڈیم کی حیثیت سے کام کررہے ہیں
کائنات میں۔ لہٰذا جب حضور ﷺ میڈیم بن گئے تو حضور کی جو اولاد ہے، حضور
کی جو نسل ہے، حضور کی جو برادری ہے اور کنبہ ہے، اسی میں پیغمبری آنی
چاہئے۔ اسی میں پیغمبری آتی رہی۔ اور پھر جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے آپ ان
کی کتابیں پڑھیں، تورات پڑھیں، زبور پڑھیں ، انجیل پڑھیں، انتہا یہ کہ ہندوؤں
کی جو کتاب ہے نہ بھگوت گیتا وہ پڑھیں ہر ایک میں ایک ہی بات ہے ہمارے بعد
نجات دہندہ آئے گا اس کی پیروی کرنا۔ ہمارے بعد نجات دہندہ آئے گا اس کی
پیروی کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے میڈیم کو باعث تخلیق کائنات رسول اللہ ﷺ
کو متعارف کرانے کے لئے لاکھوں کروڑوں سال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نمائندے
ان کی نسل میں سے بھیجے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یہی اعلان کرتے رہے
نجات دہندہ آئے گا نجات دہندہ آئے گا۔ اور جب وہ نجات دہندہ آگیا حضور پاک
ﷺ نے یہ فرمایا آپ سب کو معلوم ہے کہ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا۔ جو

میرے بھائی پیغمبروں نے کہی وہی میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن ہر پیغمبر نے یہ کہا
نجات دہندہ آئے گا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ نجات دہندہ آئے گا۔ رسول
اللہ ﷺ نے ... الیوم اکملت لکم دینکم .... اللہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب
محمد ﷺ دین علم مکمل کردیا۔ نہ صرف مکمل کردیا علم کو بلکہ میں اپنے
محبوب بندے سے راضی بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے نقش
قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ حضور قلندر بابا اولیائ کے فیض
کو اور زیادہ جاری فرمائے۔ اور ہم سب اہل کراچی ، اہل سلسلہ عظیمیہ ، اپنے
جتنے مہمان گرامی باہر سے تشریف لائے ہیں ان کا تہہ دل سے شکریہ بھی ادا
کرتے ہیں۔ اور ان کو خوش آمدید بھی کہتے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے بہت
کوشش کی کہ ہمارے مہمانان گرامی خوش ہوکر جائیں اور ان کو تکلیف نہ
ہو۔ لیکن بشری تقاضوں کے تحت اگر ہماری طرف سے ، اہل کراچی کی طرف
سے ، سلسلہ عالیہ عظیمیہ کی طرف سے کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو اس کے
لئے ہم ان سے معافی کے خواستگار ہیں۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ...

اس کی نسبت سے جبرئیل جیسا فرشتہ بیت المعمور سے پرواز کرکے آگے گیا۔
اسی صورت سے جب آدم کا تذکرہ کرتے ہیں فرشتوں نے کہا کہ صاحب یہ خون
خرابہ کرے گا اور زمین پہ فساد برپا کردے گا اور آپ کی تسبیح کے لئے تو ہم
کافی ہیں۔ دیکھئے نہ ہم اگر کھڑے ہیں تو کھڑے ہی ہیں اور رکوع میں ہیں تو
رکوع میں ہی ہیں اور سجدے میں ہیں تو سجدے میں ہی ہیں۔ اگر آپ اس کو
اس لئے پیدا کررہے ہیں کہ آپ کی عبادت کرے تو اس کے لئے تو ہم کافی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے دیکھئے ان فرشتوں کو یہ نہیں کہا کہ چپ ہوجاؤ۔ آدم کو بلایا اور
یہ کہا کہ اے آدم ہم نے جو تجھے علوم سکھائے ہیں وہ علوم تو ان فرشتوں کے
سامنے بیان کرے جب آدم علیہ السلام نے علم الاسماء بیان کیا تو فرشتوں نے کہا
کہ قالوا لا علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ اے ہمارے پروردگار ہمیںتو
جتنا آپ نے علم دیا اتنا ہی ہمیں علم حاصل ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ آدم کے
سامنے سجدے میں گر گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم کو فرشتوں پر فضیلت
دینے والی جو چیز ہے وہ علم الاسماء یعنی علم ہے۔ تو اب میں جیسے آپ سے
عرض کررہا تھا کہ دو کردار ہمارے سامنے ہے۔ ایک شیطان کا کردار ہے۔ ایک
آدم کا کردار ہے۔ جب فرشتوں سے زیادہ آدم علیہ السلام علم جانتے ہیں تو
ظاہر ہے جنات سے زیادہ جانتے ہی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کہ
بھئی جب میں نے تجھے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کر تو نے کیوں نافرمانی کی۔ اب
دیکھئے یہ آپ ذہن میں رکھئے گا کہ علم آدم کا زیادہ ہے۔ وہ کہتا ہے شیطان
ابلیس کہتا ہے قال ... اس نے کہا فبما اغویتنی کہ آپ نے مجھے کڈنیپ کرلیا۔
اغوا کرلیا۔ اور آپ نے مجھے صراط مستقیم سے بھٹکا دیا اور آپ کہہ رہے ہیں
کہ میں نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ ظاہر ہے یہ منہ زوری تو کسی کو بھی پسند

نہیں آسکتی اللہ تو بہت ہی بڑا ہے۔ اس کے بعد آدم سے بھی بھول چوک ہوگئی۔ درخت کے قریب چلے گئے۔ اب پھر یہ بات ذہن میں رکھئے کہ آدم کا علم جو ہے وہ ابلیس سے زیادہ اور تمام ملائکہ سے زیاد ہ ہے۔ آدم سے اللہ تعالیٰ نے کہا بھئی ہم نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جاؤ تو قریب کیوں گئے۔ تو آدم نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ نے تو دنیا ایسی بنادی اور ایسا چاہ رہے تھے اور میں نافرمانی نہیں کرتا تو میں دنیا میں کیسے جاتا ، دنیا میں آبادی کیسی ہوتی اتنے سارے آپ پیغمبر کس طرح مبعوث کرتے۔ یہ نہیں کہا، کیا کہا؟ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنا کوننا من الظالمین ... اے ہمارے رب میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ میں نے بہت گھاٹے اور خسارے کا کام کیا۔ اگر آپ نے ہمیں معاف نہیں کیا تو میری تو ساری زندگی ساری نسل خسارے میں اور گھاٹے میں چلی جائے گی اور اے الہ العالمین مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف فرمائے کردار، دو کردار دیکھئے آپ کے سامنے ہیں۔ علم آدم کا زیادہ ہے اکڑ شیطان رہا ہے۔ آدم میں اکڑ نہیں ہے۔ عاجزی ہے، انکساری ہے۔ اس انکساری کا آدم کو کیا فائدہ ہوا۔ آپ ذرا سوچیں آدم کی عاجزی، انکساری کو اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ پسند کیا کہ آدم کی اولاد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے۔ انتہا یہ ہے کہ آدم کی اولاد میں اپنا ایسا محبوب بندہ پیدا کردیا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تو محمد کا نور پہلے پیدا کیا اور اس کے بعد اس سے ساری کائنات پیدا کی۔ اس کے برعکس شیطان کا کردار اکڑ کا ، کبر کا، منہ زوری کابتائیے شیطان ہی پیدا ہوتے ہیں رحمان پیدا نہیں ہوا، کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوا، کوئی دیانت دار پیدا نہیں ہوا لعنت ہی لعنت ہے۔ اب پھر زندگی کے دوکردار آپ کے سامنے ہے۔ کہ جنت میں رہنے والا بندہ اگر غلطی بھی کرے تو اس کا کردار یہ ہے وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتا ہے ، توبہ کرتا ہے ، توبہ استغفار کرتا ہے، جانتے ہوئے بھی کہ یہ ساری کائنات جو اللہ نے بنائی ہے اور دنیا کو اللہ آباد کرے گا کوئی ایسی بات بندہ اپنی زبان سے نہیں نکال رہا جو اللہ کے لئے ناخوش نودی کا باعث ہو۔ پیغمبرانہ طرز فکر میں اور شیطانی طرز فکر میں یہی ایک بنیادی فرق ہے۔ آپ جب دیکھیں کسی بندے کے اندر غصہ آپ جب دیکھیں کسی بندے کے اندر کبر ہے ، آپ جب یہ دیکھیں کہ کوئی بندہ گناہ کرکے عاجزی اور ندامت کی بجائے اس کا جواز تلاش کرتا ہے آپ سمجھ لیجئے وہ سارا کا سارا شیطانی کردار اس کے اندر منتقل ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر آپ کسی بندے کے اندر عاجزی دیکھتے ہیں ، آپ کسی بندے کے اندر انکساری دیکھتے ہیں ، آپ کسی بندے کے اندر رحم دلی دیکھتے ہیں، آپ کسی بندے کے اندر خدمت خلق کا جذبہ دیکھتے ہیںتو آپ سمجھ لیجئے سارا کا سارا کردار پیغمبرانہ کردار ہے۔ وہ سارا کا سارا کردار اللہ کے دوست کا کردار ہے۔ تو بات یہ ہورہی تھی کہ انسان کی ساری زندگی پیدائش سے لے کے موت تک، آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے ہر مرد و عورت کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ ان دو رخوں سے چھٹکارہ نہیں مل سکتی۔ایک رخ جنت کا رخ ہے۔ ایک

رخ جنت سے نکالے ہوئے کا رخ ہے۔ تو جنت سے نکالا ہوا رخ یہ ہے کہ ہم یہاں پابند ہوگئے حواس میں۔ ہماری نظر بھی محدود ہے۔ ہمارے کان بھی محدود ہیں۔ ہمارا سوچنا بھی محدود ہے۔ ہمارا گھر بھی محدود ہے۔ اب جنت کے بارے میں آپ نے سنا ہے کہ ستر ستر محل ہونگے۔ ستر محل ہونے کا مطلب ہے اتنی وسعت ہے رقبہ میں جنت کے کہ آپ یہاں کے کسی مکان سے اس کو تشبیہ نہیں دے سکتے۔ ستر محل کا مطلب ستر محل ہوں گے اس سے مقصد یہ ہے کہ یہاں اس دنیا میں رہتے ہوئے جنت میں اللہ تعالیٰ جو مکان عطا کرے گا اس کا آپ کسی بھی طرح زمین کے مکان سے موازنہ نہیں کرسکتے۔ وہ الگ ہی ہے۔ بالکل۔ طرز فکر ہی الگ ہے۔ جنت کے حواس ہی بالکل الگ ہیں۔ تو اب دو باتیں ہمارے سامنے آئیں۔ ایک جنت کے حواس۔ جنت کے حواس سے نکل کر ہم دنیا کے حواس میں کب آئے۔ یہ آپ مجھے بتائیں۔میں نے آپ سے کہا تھا نہ سوال جواب کی بات ہوگی۔ ہم جنت میں تھے۔ یہاں کیوں آئے۔نافرمانی کا مطلب یہ ہے کہ نافرمانی بھی ایک حواس ہے۔ جس طرح فرماں برداری حواس ہے۔ جس کو ہم جنت کے حواس کہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی نافرمانی بھی حواس ہے جو اس زمین کے حواس ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جنت کی نافرمانی کے بعد جنت میں نافرمانی کے بعد جنت کے حواس ہم سے چھین لئے گئے۔

★★★★★